chapter-5

باب پنجم

ادبی نظریات

١۔ مولانا آزاد کی نثر نگاری

٢۔ مولانا آزاد کی شاعری

٣۔ادبی نظریہ

باب پنجم

ادبی نظریات

١. مولانا آزاد کی نثر نگاری:

مولانا آزاد نے صحافت، خطابت، سیاست، مذہب اور دوسرے کئی شعبوں پر اپنے لافانی نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کا ایک اور بڑا کارنامہ اردو زبان کی اشاعت اور ان کی ادبی نثر نگاری ہے۔

مولانا آزاد ۱۸۹۹ء میں صرف گیارہ سال کی عمر میں وادیٔ صحافت میں داخل ہوگئے تھے اور ان کے علمی و ادبی نثری مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے لگے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں "لسان الصدق" رسالہ انھوں نے خود اپنی ادارت میں جاری کیا۔ اس رسالے میں انھوں نے اصلاح معاشرت کے ساتھ ترقیٔ اردو، زبان کی اشاعت اور علمی و تنقیدی مضامین شامل کئے۔ "الندوہ" میں ان کے کئی علمی و ادبی مضامین شائع ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں "الہلال" تک پہنچتے پہنچتے مولانا آزاد باضابطہ طور پر نثر نگار تسلیم کئے جانے لگے۔

مولانا آزاد نثر نگار تو تھے ہی، ساتھ ہی شاعری کی لطافت سے بھی ان کا مزاج آشنا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی نثر نگاری میں لطیف شاعرانہ امتزاج سے ایسی دلکش اور منفرد مثال پیش کی جو تقلید کے دائرے سے باہر ہے۔ انہوں نے "الہلال" کے ذریعے اپنی نثر نگاری کو مقبول عام بنا دیا۔ حالانکہ صحافت اور سیاست سے متعلق عام خیال یہ ہے کہ اس کے مخاطب کم پڑھے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن مولانا آزاد کی نثر نگاری اور ان کے طرز بیان سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ عوام سے مخاطب ہیں بلکہ ان کے تمام نثری کارناموں میں ان کی انفرادی ادبی شان نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ ضیاء الحسن فاروقی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

"مولانا آزاد کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں پر لکھنے والوں کی تحریریں شاہد ہیں کہ سیاسی اور ملکی مسائل میں بے پناہ مشغولیت کے باوجود مولانا کے علمی شغف میں کبھی کمی نہیں

آئی۔" (۱)

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد کی نثر نگاری کے اس دور میں ہندوستان کی سماجی اور سیاسی فضا عجیب بحران سے دو چار تھی۔ چاروں طرف ہنگامے، نعرے، ہڑتال اور احتجاج ہو رہے تھے۔ ان تمام باتوں کا اثر شعر و ادب پر بھی پڑا۔ بہت سی علمی شخصیتیں سیاسی جدوجہد میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شامل ہو گئیں تھیں۔ اس دور انتشار نے ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں میں خطیبانہ رنگ و آہنگ بھر دیا تھا۔ اسی زمانے میں صحافت نے بنیادی وسیلہ ابلاغ کی حیثیت اختیار کرلی تھی اور کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص صحافت کے اثر سے دور نہیں رہ سکتا تھا۔ کوئی بھی دور اندیش اور بالغ نظر ادیب جو اپنی تحریروں کے ذریعے ملک و ملت کی خدمت کرنا چاہتا، اس کے لئے ذریعہ صحافت لازمی ہو گیا تھا۔ مولانا آزاد نے یہی کیا اور اپنی سحر انگیز نثر نگاری کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیا اور نثری دنیا میں اپنی انفرادیت کی مثال قائم کردی۔ اپنی مخصوص انفرادیت کا احساس خود انہیں بھی تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مذہب میں، ادب میں، سیاست میں، فکرونظر کی عام راہوں میں، جس طرف بھی نکلنا پڑا، اکیلا ہی نکلنا پڑا، کسی راہ میں بھی وقت کے قافلوں کا ساتھ نہیں دے سکا۔" (۲)

مولانا آزاد کی اس دور کی نثر نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے علی جواد زیدی یوں رقمطراز ہیں۔

"اس دور کی نثر کو عبارت آرائی، خطابت یا صحافت کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا کیونکہ اس میں بے جا آورد نہیں ہے، تصنع نہیں ہے، ایک پہاڑی چشمے کی روانی ہے جو بڑے بڑے پتھروں کو بہا کر لے جاسکتی ہے۔ اس میں کوری منطق یا بے جان سادگی کی تلاش بے سود ہے۔ کیونکہ جب دل و دماغ پر حصول کے مقصد کی تمنا چھا گئی ہو اور اس میں سارا وجود، ساری علمیت، ساری فنکاری پیوست ہوگئی ہو تو والہانہ نغمے اور روح پرور نعرے ہی زبان پر آتے ہیں۔" (۳)

مولانا آزاد نے اس زمانے میں اپنی نثر نگاری سے قوم کی بیداری کا کام لیا تھا۔ اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں بلند آہنگی اور خطیبانہ شان پائی جاتی ہے۔ لیکن صرف انہی وجوہات کی بنا

(۱) البیرونی اور جغرافیۂ عالم۔ تقدیم و تحشیہ: ضیاء الحسن فاروقی اور مسیح الحسن (ص۔ ۳۶)
(۲) انتخاب تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔ ۱۳۹)
(۳) کمال ابوالکلام آزاد۔ علی جواد زیدی (ص۔ ۱۲۱)

پر ان کی نثر نگاری کی قدروقیمت کم نہیں ہوجاتی بلکہ ان میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ بقول سید احتشام حسین۔

"سیاست نے انہیں اپنا لیا تھا مگر اس سے وقت نکال کر جب کچھ لکھ دیتے تھے تو وہ ادب پارہ بن جاتا تھا۔"(۴)

مولانا آزاد کی نثر نگاری کے دور کا ادبی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور کا ایک سرا سر سید احمد خان کی علی گڈھ تحریک سے اور دوسرا سرا ترقی پسند تحریک سے جا ملتا ہے۔ اس دور میں سر سید تحریک سے وابستہ کئی ادیبوں اور مصنفوں نے علامہ شبلی کی طرح سر سید احمد خان کی سیاسی فکر سے انحراف کیا تھا۔ اس دور کے ادیب و مصنفین اپنے معاشرے کی تنقید کے ذریعے اسے تبدیل کردینے کی تمنا رکھتے تھے اور سماج کے پسماندہ طبقوں کی زندگی کو بہتر بنانے اور اپنے نظریات کو ادب کے گوشے گوشے میں پھیلا دینے کی خواہش رکھتے تھے۔ یہ تمام عناصر جو ترقی پسند تحریک میں نظریاتی وضاحت کے ساتھ ابھرتے ہیں، وہ مولانا آزاد اور ان کے معاصرین کے ہاں پہلے ہی بکھرے ہوئے تھے۔ یہ انداز فکر سر سید تحریک ہی سے شروع ہوچکی تھی کہ ادب کا مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک مفید اور کارآمد باتیں پہنچانا ہے۔ ان حالات و واقعات کی روشنی میں مولانا آزاد کے نثری کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک عظیم اور منفرد نثر نگار تھے۔ اپنی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے خود مولانا آزاد فرماتے ہیں۔

"لوگ بازار میں دکان لگاتے ہیں تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگاتے ہیں جہاں خریداروں کی بھیڑ لگتی ہو۔ میں نے جس دن دکان لگائی تو ایسی جگہ ڈھونڈ کر لگائی جہاں کم سے کم گاہکوں کا گذر ہوسکے۔" (۵)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دکان پر گاہکوں کی شکل میں بہت سے شعراء و ادباء کا گذر ہوا اور حسرت موہانی کو کہنا پڑا۔

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر　　نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

---

(۴) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ۔ سید احتشام حسین (ص۔ ۲۰۹)

(۵) انتخاب تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔ ۱۳۹)

مولانا آزاد کی نثر نگاری کا دوسرا پہلو "ترجمان القرآن" یا "تذکرہ" میں نمایاں ہوتا ہے۔ ان تصانیف میں بلند آہنگی اور خطابت کے برعکس ذہانت، متانت اور علمیت کا وقار مدھم سروں میں سنائی دیتا ہے۔ ان تصانیف میں مولانا آزاد کو "الہلال" کی نثر نگاری کی طرح عوام کے دلوں میں آزادی کی چنگاری بھر دینے کی خواہش سے زیادہ ان کے دماغوں میں نئی فکر کے چراغ جلانے کا حوصلہ اور ولولہ تھا۔ سجاد انصاری نے ان کی اس دور کی نثر نگاری سے متاثر ہو کر یہاں تک کہہ دیا کہ

"اگر قرآن اردو زبان میں نازل ہوتا تو ابوالکلام کی نثر میں نازل ہوتا یا اقبال کی نظم میں۔" (۶)

مولانا آزاد کی نثر نگاری میں "غبار خاطر" اور ان کے بہت سے مکاتیب اردو ادب میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ "غبار خاطر" مولانا کے انشائیوں کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ادب کے اصولوں پر کاربند ہے۔ مرزا غالب کے خطوط کی نثر نگاری کو اردو ادب میں جو مقام حاصل ہے وہی اہمیت مولانا آزاد کے مکاتیب کی بھی ہے۔ ان کی ادبی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ مولانا آزاد کے خطوط کی ادبیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مالک رام یوں زقطراز ہیں۔

"مولانا آزاد کے خطوط مختلف علوم کا بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ ان کی جو تحریریں غبار خاطر میں شامل ہیں ان میں سے بیشتر مختلف موضوعات، علوم، دینیات، تاریخ، انشاء وغیرہ سے متعلق ان کے وسیع مطالعے اور قدرت کلام اور غور وفکر کے نتائج کی مظہر ہیں۔ انہوں نے ان خطوط سے وہی کام لیا جس کا ایک ماہر نفسیات، ایک مورخ، ایک انشاء پرداز اپنے علم اور قلم سے لیتا ہے۔" (۷)

"غبار خاطر" کو اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصابی کتابوں میں داخل کیا گیا جس سے اس کی ادبی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا آزاد نے "غبار خاطر" میں اساتذہ کے فارسی و اردو اشعار کا جابہ جا استعمال کیا ہے۔ ان اشعار کے برمحل اور موزوں استعمال سے انھوں نے اپنی نثر نگاری میں آراستگی اور صنعت گری پیدا کردی ہے۔ مولانا آزاد کی آراستہ نثر نگاری کا راز

---

(۶) مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت۔ حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی (ص۔ ۲۵۵)

(۷) خطوط ابوالکلام آزاد (جلد اول) مرتبہ مالک رام (ص ـ ۷)

پنڈت جگن ناتھ آزاد ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں۔

"مولاناابوالکلام آزاد کا شعری ذوق منجھا ہوا اور بہت بلند تھا۔ متانت اور توازن کی خصوصیات سے لبریز تھا۔ ان کے انتخاب شعر کا معاملہ یہ تھا کہ نثر میں جہاں کہیں شعر یا مصرع لاتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ شعر یا مصرع اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ ویسے اچھی نثر کے بارے میں میرے رائے یہ ہے کہ اس میں اشعار کی بھرمار نہیں ہونی چاہیے (شاعری پر تنقید کی بات دوسری ہے) لیکن ہمارے یہاں ایک دور ایسا گذرا ہے کہ مصنف اپنی نثر کو جگہ جگہ اشعار سے مزین کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسے مصنفین میں حضرت نیاز فتح پوری، مولانا غلام رسول مہر اور جناب جوش ملیح آبادی کے نام خاص طور قابل ذکر ہیں۔ جوش صاحب کی اشعار سے لبریز نثر تو خاصی تصنع آمیز تحریر کا نمونہ ہے۔ نیاز فتح پوری اور غلام رسول مہر کی نثر میں بھی اشعار وہ جادو نہیں جگا سکا جو مولانا آزاد کے حصے میں آیا ہے۔"(۸)

اس دور میں شعریت اور تغزل سبھی ادیبوں کے مزاج پر حاوی دکھائی دیتی ہے۔ نثر نگاری میں مقفّیٰ اور مسجع عبارت کی جگہ کلاسیکی شعرا کی طرح مضمون آفرینی اور خیال بندی کا رجحان نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔ اس دور میں سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، مہدی افادی، سجادانصاری وغیرہ مصنفین سامنے آئے لیکن ان تمام ادیب و مصنفین میں مولانا آزاد کی نثر نگاری ہی عوام میں مقبول ہوئی۔ دراصل انہوں نے انانیت پرستوں سے الگ اپنی ایک ایسی راہ نکالی جسے دوسرے لفظوں میں علامہ اقبال کی خودی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ عبدالمغنی، مولانا آزاد کی انانیت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"تذکرہ اور غبار خاطر میں "انا" کا جو اظہار ملتا ہے وہ ان کا ذہنی رویہ اس حد تک نہیں جس حد تک ایک طرز نگارش ہے، جس کا پورا پورا حق ایک منفرد عالم و ادیب کو پہنچتا ہے۔"(۹)

مولانا آزاد اپنے عہد کے دیگر شعرا و ادبا کی طرح اپنے خیالات کی پیچیدگی کو زبان کی سادگی سے سہل اور عام بنانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ زبان و بیان کی رنگینی کے ذریعے اہل مذاق کے لئے دلچسپی پیدا کردیتے ہیں۔ مولانا کی مشکل پسندی کے باوجود ان کی نثر نگاری کو جو

---

(۸) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر۔ اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کی نثر نگاری۔ جگن ناتھ آزاد (ص۔۳۹)

(۹) تنقیدی زاویے۔ عبدالمغنی (ص۔ ۳۱)

مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان کے کسی ہم عصر نثر نویس کے حصے میں نہیں آئی۔ عبدالماجد دریا بادی نے ان کی نثر نگاری کی جاذبیت کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

"خدا جانے کتنے نئے اور بھاری بھر کم لغات اور نئی ترکیبیں اور نئی تشبیہیں اور نئے استعارے اور نئے اسلوب یہاں ہر ہفتہ اس ادبی ٹکسال سے ڈھل ڈھل کر باہر نکلتے تھے اور جاذبیت کا یہ عالم تھا کہ نکلتے ہی سکہ رائج الوقت بن گئے۔ حالی و شبلی کی سلاست اور سادگی سر پیٹتی رہ گئی اور اکبر الہ آبادی اور عبدالحق موجودہ بابائے اردو سب ہائیں ہائیں کرتے رہ گئے۔"(۱۰)

اس عہد کی ادبی تحریروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان و ادب میں فارسی کا اقتدار تیزی سے کم ہو رہا تھا لیکن پھر بھی فارسی ادب کے نمونے اردو والوں کے لئے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا آزاد کی نثر نگاری میں فارسی تراکیب، تشبیہ و استعارے، تلمیحات اور ادبی پیرائے کا گہرا ربط و ضبط اور دلچسپ اظہار ملتا ہے۔ ان کے دلکش پیرایۂ اظہار اور ان کی شگفتہ تحریروں کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر اعجاز حسین لکھتے ہیں۔

"ان کے (مولانا آزاد کے) الفاظ کا انتخاب زیادہ تر عربی و فارسی کے ذخیرے سے ہوتا ہے۔ علمی اور فلسفیانہ اصطلاحات کی آمیزش سے آپ جو ادبیت پیدا کرتے ہیں وہ خاص طور پر عبارت کو دلکش اور موضوع کو بلند کردیتی ہے۔ ان کے تشبیہ واستعارے عربی و عجمی انداز کے ہوتے ہیں۔ مگر اردو کی فضا میں ایسے برجستہ آجاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے ایک طرف تو ادب کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسری طرف مضمون میں شگفتگی بڑھ جاتی ہے۔" (۱۱)

اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اردو نظم و نثر کی اصناف کو فروغ دینے کے لئے فارسی کے بجائے مغرب سے استفادہ کرنے کا رجحان پہلے سے زیادہ ہوگیا تھا۔ اردو ادیبوں اور شاعروں نے اپنی تخلیقات میں نئی نئی اختراع و ایجاد کیں۔ زبان، پیرایۂ اظہار اور اسلوب بیان میں بھی تبدیلی آئی۔ یہ بات تو عالم آشکار ہے کہ مولانا آزاد کے اسلوب بیان اور تحریر و انشاء

---

(۱۰) مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت۔ حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی (ص۔ ۲۵۵)

(۱۱) مختصر تاریخ ادب اردو۔ پروفیسر ڈاکٹر اعجاز حسین (ص۔ ۳۱۹)

میں بلا کی چاشنی تھی۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اس بات کا برحق اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"تحریر و انشا میں اپنے اسلوب کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ شروع میں اسلوب بیان ذرا ثقیل تھا اور کتاب "تذکرہ" میں تو ثقیل سے گذر کر اثقل ہوگیا ہے لیکن جاذبیت نے رفاقت اس حال میں بھی نہ چھوڑی۔ رفتہ رفتہ ثقل لطافت میں تبدیل ہوگیا۔ غبار خاطر و کاروان خیال شگفتہ بیانی کے ماڈل یا مجسم نمونے ہیں۔ ان کی ادبیت، ادبی شخصیت کی وسعت اور بلندی دونوں کا پوچھنا ہی کیا؟" (۱۲)

مولانا آزادؔ نے کبھی اپنے آپ کو ادیب یا شاعر کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ وہ بنیادی طور پر ایک بلند قامت مفکر ہیں اور ادب ان کا آلۂ کار ہے۔ درحقیقت مولانا آزادؔ کو سیاسی مصروفیات نے اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ وہ علم و ادب کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر انہیں سیاسی سرگرمیوں سے یکسوئی حاصل ہوجاتی تو وہ علم و ادب کے میدان میں بہت کام کرجاتے۔ ان کی سیاسی مصروفیات نے علم و ادب کا بڑا نقصان کیا۔ لیکن ان تمام مصروفیات سے دامن بچا کر انھوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ان کی فطرت اور نفسیات کا آئینہ دار ہے۔

مولانا آزادؔ کی نثر نگاری سے متعلق یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے عہد کے سب سے نمایاں اور فعال ادیب تھے۔ جو طرز نگارش انہوں نے اپنایا تھا وہ بالکل فطری تھا۔ اس میں تصنع برائے نام بھی نہیں تھا اور وہ طرز انہی کو زیب دیتا تھا۔ انہوں نے مرزا غالبؔ کی طرح اپنی انفرادیت قائم رکھی اور اپنی نثر نگاری میں عوامی اصولوں کی تقلید کو اپنے لئے باعث ننگ سمجھا۔ ان کی نثر نگاری کا یہ اسلوب تو انہی کے ساتھ ختم ہوگیا لیکن اس تاریخ ساز ہستی نے جو اپنا نثری ورثہ چھوڑا وہ ہماری ادبی، علمی اور فکری زندگی کے لئے گراں قدر تاریخی ورثہ ہے۔

۲. مولانا آزادؔ کی شاعری:

ذوق ادب مولانا آزادؔ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ وہ ابتدا ہی سے بے حد ذہین تھے۔

---

(۱۲) اردو کی ترقی میں مولانا آزادؔ کا حصہ ۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری (ص۔۲۰۵)

ان کی ذہنی تربیت میں ان کے مذہبی اور عالمانہ فکر و نظر رکھنے والے خاندان کو بڑا دخل تھا ۔مولانا آزاد کی ابتدائی تعلیم و تربیت اسی ماحول میں ہوئی۔ صرف دس بارہ سال کی عمر میں انہوں نے مذہبی تعلیم کے ساتھ عربی فارسی و اردو زبانوں پر مہارت حاصل کر لی تھی۔ بچپن ہی سے انہیں فارسی اور اردو شعر و ادب سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور سینکڑوں اشعار انہوں نے زبانی یاد کر لئے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں ۔

"مولانا آزاد کی ذہنی تربیت ایک ایسے ماحول میں ہوئی تھی جس کی بدولت رچا ہوا ادبی ذوق اس ماحول میں بیٹھنے والے کا جزو مزاج بن جایا کرتا تھا ۔۔۔چنانچہ کچھ تو ماحول کے فیض سے اور کچھ مطالعۂ کتب کے طفیل ، مولانا آزاد کا شعری ذوق بارہ تیرہ برس ہی کی عمر میں ان کی تخلیق شعر کی صورت میں اہل نظر کے سامنے آیا" (ا) ۔

مولانا آزاد نے اپنے شعور کی ابتدا ہی سے شعر گوئی شروع کر دی تھی ۔بجا طور پر ان کی شعر گوئی میں ان کے گھر کا ماحول اثر انداز تھا کیونکہ ان کے والد اور ان کے بڑے بھائی غلام یٰسین آہ بھی شاعر و ادیب تھے ۔مولانا آزاد نے جب شعر کہنا شروع کیا، اس زمانے میں کلکتے میں سینکڑوں شاعر و ادیب موجود تھے ۔انہی میں عبدالواحد خان بھی ایک معروف شاعر تھے جو ان کے گھر اکثر اپنی بہن سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے ۔وہ انہیں پیرزادہ سمجھ کر ان کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے اور اپنا کلام مختلف انداز میں انہیں سناتے اور داد تحسین وصول کرتے تھے ۔مولانا آزاد کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری سے رغبت تو تھی ہی ، عبدالواحد خان کی صحبت نے ان کے ذوق شعر و سخن کو مزید تقویت پہنچائی اور ان کے دل میں یہ خواہش پیدا کر دی کہ وہ بھی شعر کہیں اور اپنا کلام دوسرے شعرا کی طرح گلدستوں میں شائع کروائیں۔ عبدالواحد خان ہی کی تجویز پر مولانا آزاد نے اپنا تخلص آزاد پسند کیا کیونکہ الف ممدوہ سے شروع ہونے والے شاعروں کے تخلص کو ان گلدستوں میں اولیت دی جاتی تھی ۔

مولانا آزاد کی شاعری کا زمانہ وہ تھا جب روایتی شاعری دم توڑ رہی تھی۔ اس زمانے میں مولانا محمد حسین آزاد اور خواجہ الطاف حسین حالی وغیرہ نے شاعری میں جدید موضوعات پر نظمیں پیش کرنے پر بہت زور دیا تھا۔ چنانچہ روایتی شعرا غزل کی صنف سخن کو بچانے کے لئے

(ا) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ شخصیت اور کارنامے۔ مرتبہ خلیق انجم۔ مولانا آزاد کا شعری ذوق۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد(ص۔۴۸۱)

اپنی ممکنہ کوششیں کر رہے تھے اور جگہ جگہ طرحی مشاعرے منعقد کر کے اپنی منتخب غزلوں کو گلدستوں اور رسالوں میں محفوظ کر رہے تھے۔ مولانا آزاد اپنی ابتدائی شاعری کا حال بیان کرتے ہوئے اپنے قریبی عقیدت مند مولانا غلام رسول مہر کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"غالباً ۱۹۰۰ء یا ۱۹۰۱ء کی بات ہے کہ بمبئی سے حکیم عبدالحمید فرخ نے، جو پنچ بہادر نکالا کرتے تھے۔ ایک گلدستہ "ارمغان فرخ" کے نام سے نکالا اور کلکتے میں بعض شعرا اس کی ماہوار طرحوں پر مشاعرہ کرنے لگے۔ ایک مرتبہ اس کی طرح تھی۔

"پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی"

میں نے گیارہ شعر کی غزل لکھی۔ تین شعر مزخرفات کے اب تک ذہن نے ضائع نہیں کیے۔" (۲)

اس طرحی غزل سے مولانا آزاد کی خداداد شاعرانہ صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنی کم عمر میں مصرع طرح پر گیارہ اشعار کی غزل لکھ ڈالی۔ اس غزل کے جو اشعار مولانا کو یاد رہ گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

نشتر بہ دل ہے آہ کسی سخت جان کی
نکلی صدا تو فصد کھلے گی زبان کی

گنبد ہے گردبار تو ہے شامیانہ گرد
شرمندہ میری قبر نہیں سائبان کی

ہوں نرم دل کہ دوست کی مانند رودیا
دشمن نے بھی جو اپنی مصیبت بیان کی

آزاد بیخودی کے نشیب و فراز دیکھ
"پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی"

مولانا آزاد مذکورہ غزل کے متعلق اسی خط میں آگے تحریر فرماتے ہیں۔

" میں نے عبدالواحد خان سہسرامی کو مطلع سنایا۔ وہ سنتے ہی چیخ اٹھے اور اس قدر تعریف

---

(۲) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر۔ اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کی نثر نگاری۔ جگن ناتھ آزاد (ص۔۳۸)

کی کہ میں جامے میں نہ سمایا اور طبیعت کو ایک عجیب قسم کی فرحت حاصل ہوئی۔ جب اور شعر سنائے تو ہر شعر پر انہوں نے کھڑے ہو کر تحسین کی۔۔۔ اس سے مجھے اپنی کامیابی پر مسرت ہوئی اور عبدالواحد خان کے بار بار جرأت دلانے پر تیار ہو گیا کہ غزل اشاعت کے لئے بھیجوں۔" (۳)

چنانچہ مولانا آزاد کی پہلی غزل "ارمغان فرخ" میں شائع ہوئی اور مقبول بھی ہوئی جس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے۔ عبدالواحد خان نے مولانا کی یہ غزل کلکتے کے ایک مقامی مشاعرے میں سنا کر خوب داد تحسین وصول کی تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا آزاد نے کسی استاد شاعر کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ وہ محض اپنی فکر و کاوش سے اور کچھ عبدالواحد خان کی مدد سے خود ہی اشعار کی کاٹ چھانٹ کر لیتے۔ کبھی کبھار اپنے بڑے بھائی غلام یٰسین آہ سے اصلاح لے لیتے جو داغ دہلوی کے شاگرد تھے۔ ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"چنانچہ کچھ دنوں بعد ان کے (امیر مینائی) پاس دو غزلیں بھیجیں جو انہوں نے اصلاح کر کے فوراً واپس بھیج دیں لیکن اس سے مولانا آزاد کی طبیعت خوش نہیں ہوئی" (۴)

مولانا آزاد اس سلسلے میں یوں فرماتے ہیں۔

"مجھے اس وقت یہ خیال ہوا تھا کہ شہرت سے زیادہ اس بات کو دیکھنا چاہیئے کہ معلومات اور فن کے اعتبار سے کون شخص زیادہ مفید ہو سکتا ہے" (۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے کسی استاد شاعر کی اصلاح اور مدد کے بغیر اس زمانہ میں داغ دہلوی اور امیر مینائی جیسے بلند پایہ شاعروں کے بالمقابل اشعار کہے جو ان کی باکمال شاعرانہ صلاحیت کا نادر نمونہ ہی کہے جا سکتے ہیں۔ مولانا آزاد خود لکھتے ہیں۔

"یہ اشعار اب کس قدر لغو معلوم ہوتے ہیں لیکن اس وقت انہی لغویات نے لوگوں کو متحیر کر دیا تھا" (۶)

---

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد۔ شخصیت اور کارنامے۔ مرتبہ خلیق انجم۔ ابوالکلام آزاد بحیثیت شاعر۔ سیدہ شان معراج (ص۔ ۴۹۱)

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد (فکر و فن) ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد (ص۔۷۶)

(۵) ایضاً (ص۔۷۶)

(۶) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر۔ اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کی نثر نگاری۔ جگن ناتھ آزاد (ص۔۳۸)

مولانا آزاد اپنی ابتدائی شاعری کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

"اس زمانہ میں مرزا غالب کے ایک شاگرد نادر شاہ خان شوخ رامپوری کلکتے میں مقیم تھے۔ انہیں کسی طرح یقین نہیں ہوتا تھا کہ جو غزلیں میں سناتا ہوں، میری ہی کہی ہوئی ہیں۔ ایک دن مسجد سے نکل رہا تھا کہ ان سے مڈ بھیڑ ہوگئی۔ مجھے پکڑ کر کتب فروش کی دکان پر لے گئے جس کی دکان مسجد سے متصل تھی۔ کہنے لگے ،ایک شاگرد نے جان عذاب میں ڈال دی ہے ۔چند شعر اسی وقت کہہ دو۔ میں سمجھ گیا کہ امتحان لینا چاہتے ہیں۔ انہوں نے زمین بتلائی۔

"یاد نہ ہو، شاد نہ ہو"

میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے چھ شعر لکھ دئے۔ کہنے لگے اشعار کی تعداد طاق ہونی چاہئے۔ میں نے ایک شعر اور کہہ دیا۔

وعدۂ وصل بھی کچھ طرفہ تماشے کی ہے بات
میں تو بھولوں نہ کبھی ، ان کو کبھی یاد نہ ہو

کہنے لگے صورت سے دس بارہ برس کے صاحبزادے معلوم ہوتے ہو لیکن خدا کی قسم عقل باور نہیں کرتی۔" (۷)

مولانا آزاد نے غزل اور نظم کے علاوہ رباعیات پر بھی طبع آزمائی کی ہے ۔جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے، ان کی صحیح تعداد کا تعین اب بھی نہیں ہوسکا ہے۔ ان کے اردو کلام میں دو غزلیں، ایک غزل کے چار شعر، تین متفرق اشعار اور تین رباعیاں ملتی ہیں۔ فارسی کلام میں پانچ رباعیاں اور ایک مثنوی بعنوان مثنوی متضمن بہ تہنیت تاجپوشی حضور ملک معظم از اثر خامہ جناب مولوی ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی ، مقیم کلکتہ ہے۔ اسکے علاوہ ایک قطعہ تاریخ تاجپوشی اور ایک فارسی غزل کا پتہ چلتا ہے۔

چونکہ مولانا آزاد نے صرف بارہ تیرہ سال کی عمر میں شاعری کی تھی۔ لہٰذا ان کے کلام میں شاعرانہ پختگی نہیں پائی جاتی ۔ان کی شاعری خود انہی کے قائم کردہ معیار پر پوری نہیں اترتی۔ان کی شاعری کو روایتی شاعری ہی کہا جاسکتا ہے جس میں صرف رعایت لفظی کی بھر

---

(۷) مولانا ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (مختصر سوانح حیات) عبدالقوی دسنوی (ص ۔ ۲۲)

مار تھی ۔سیّدہ شان معراج نے ان کی شاعری کا بالکل صحیح تجزیہ ان لفظوں میں کیا ہے۔

"مولانا آزاد نے اچھی شاعری کے لئے تفکر و وجدان ،جذبات و جمالیات کے خوشگوار امتزاج کا جو معیار مقرر کیا تھا، جس کا ثبوت انہوں نے دوسرے شعراء کے کلام کی پسندیدگی کے موقع پر باربار دیا ہے، خود اپنی شاعری میں قائم نہ رکھ سکے ۔تاہم یہ درست ہے کہ انہوں نے اپنی پہلی غزل مطبوعہ "ارمغان فرخ" سے ارتقائی سفر کی منزلیں طے کر لی تھیں لیکن اختتام شاعری تک بندش الفاظ کے نگینے جڑنے اور رعایت لفظی کی دکان سجانے سے زیادہ آگے نہ بڑھ سکے" (۸)

بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مولانا آزاد کی شاعری کامیاب شاعری نہیں تھی۔ انہوں نے پرانے ڈھرّے پر چل کر اپنی شاعری کا آغاز کیا اور بہت تھوڑی مدت میں ان کی شعر گوئی اختتام پذیر بھی ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں قدرت نے دوسرے کاموں کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں انہوں نے شاعری ضرور کی لیکن اسے محض تفنن طبع ہی کہا جاسکتا ہے۔وہ شاعری کے دلفریب راستوں میں زیادہ نہیں الجھے اور بہت جلد نثر نگاری کی طرف مائل ہوگئے ۔ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری اس سلسلے میں رقمطراز ہیں ۔

"تقریباً گیارہ سال کی عمر تک مولانا کو شاعری کا شوق رہا لیکن جلد ہی انہوں نے اندازہ لگالیا کہ انہیں اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لئے شاعری سے زیادہ وسیع میدان کی ضرورت ہے ۔چنانچہ انہوں نے نثر کے میدان کو جو لا نگاہ خیال بنا لیا" (۹)

مولانا آزاد نے شاعری کے ساتھ ہی نثر نویسی بھی شروع کر دی تھی اور رفتہ رفتہ وہ شاعری سے دور ہوتے چلے گئے ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی شاعری ادبی معیار پر پوری نہیں اترتی۔لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا شعری ذوق بہت بلند اور معیاری تھا۔انہیں اردو و فارسی کے بے شمار اشعار زبانی یاد تھے ۔ان اشعار کا اپنی تحریروں میں موزوں و مناسب اور برمحل استعمال کرکے وہ اپنی نثری تخلیق میں چار چاند لگا دیتے تھے۔ "غبار خاطر" اس کی زندہ و جاوید مثال ہے ۔پنڈت جگن ناتھ آزاد ،مولانا آزاد کے بلند پایہ شعری ذوق پر روشنی

---

(۸) مولاناابوالکلام آزاد (شخصیت اور کارنامے) مرتبہ خلیق انجم۔ ابوالکلام آزاد۔ بحیثیت شاعر سیدہ شان معراج (ص۔ ۴۹۴)

(۹) ابوالکلام آزاد (احوال و آثار) مرتبہ مسود الحسن عثمانی (ص۔ ۱۱۴)

ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اردو فارسی کے کسی شعر یامصرع کے نثر کے استعمال کے متعلق مولانا کی جس خصوصیت نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ جہاں کہیں مولانا نے شعر کاصرف ایک مصرع استعمال کیا ہے اور اس مصرع کو مکمل شعر کی صورت میں دیکھنے کے لئے میں نے پہلا یا دوسرا مصرع تلاش کیا ہے تو ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس شعر کا پہلا یا دوسرا مصرع واقعی میں اس قابل نہیں کہ اس موقع پر استعمال کیا جاسکے، یا تو غیر استعمال شدہ مصرع کمزور نظر آیا اور یا وہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے اس مقام کے لئے موزوں نظر نہیں آیا۔ یہ مولانا آزاد کے شعری ذوق کی رفعت اور وقعت نظری پر دلالت ہے" (۱۰)

مولانا آزاد کے گہرے احساسات شاعرانہ تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ میرؔ و غالبؔ اور دیگر استاد شعرا کے سینکڑوں فارسی و اردو اشعار ان کی زبان پر تھے۔ ان شعراء کا ہر اچھا اور قابل توجہ شعر نہ صرف مولانا کو زبانی یاد تھا بلکہ انہوں نے اپنی نثری تخلیقات میں ان اشعار کا جا بہ جا استعمال موقع و مناسبت کے لحاظ سے اس خوبصورتی سے کیا کہ ان کی نثر، شعریت میں ڈوب کر ادب پارہ بن گئی اور ان میں شعر کی مہک اور لذت رچ بس گئی۔ ان کے نثری حسن اور شاعرانہ نثر کو سبھی معتبر نقادوں نے بھی خوب سراہا ہے۔مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا آزاد، بحیثیت شاعر تو کامیاب نہیں ہیں، البتہ انہوں نے شاعرانہ مزاج ضرور پایا تھا اور ان کے شعری ذوق کا معیار بہت اونچا تھا۔

۳. ادبی نظریہ:

مولانا آزاد کے ادبی نظریات و خیالات کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا ذوق ادب سنجیدگی ،متانت اور توازن کی خصوصیات سے پُر تھا اور ان کا ادبی معیار بہت اونچا تھا۔ اصغر گونڈوی کے "سرودزندگی" پر تقریظ لکھتے ہوئے انہوں نے ادب میں اپنی اعلیٰ معیاری پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"میری نگاہ نکتہ چینی میں کمی نہیں کرتی ۔میں معیار کی پستی پر کسی طرح اپنے آپ کو

(۱۰) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر۔ اگست ۱۹۸۹ء۔ مولانا آزاد کی نثر نگاری۔ جگن ناتھ آزاد (ص۔۴۰)

راضی نہیں کر سکتا" (۱)

مولانا آزاد نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی ادب کا عمیق مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے ان زبانوں کے لسانی پس منظر کے ساتھ تہذیبی اور ثقافتی پہلوؤں سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی اور ایک ادیب کی حیثیت سے اپنا ایک خاص معیار متعین کر لیا تھا۔ان کی ادبی شخصیت کو ان کے بعض نقادوں نے الگ الگ زاویۂ نظر سے دیکھا۔ کسی نے انہیں رومانیت پسندی سے تعبیر کیا اور کسی نے انہیں صرف صحافی، سیاست دان یا مذہبی رہنما قرار دے دیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، در حقیقت ان کی عملی زندگی متضاد اور پہلودار عناصر سے مرکب ہے۔ انسانی اعمال کی طرح ادب اور فن میں بھی انسانی شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی پس منظر میں مولانا آزاد کے نظریۂ ادب و فن کو دیکھنا چاہئے۔ غبار خاطر میں فلسفہ، علم اور اسلامی تاریخ کے کارناموں کی دبیز تہوں میں ادبی فنون لطائفات اپنی پوری حشر سامانیوں کے جلوہ گر ہیں۔ حامدی کا شمیری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"غبار خاطر میں مذہب، خدا، کائنات اور غم و مسرت جیسے گمبھیر مسائل سے لے کر حریفان سقف و بام یعنی چڑیوں سے محاذ آرائی جیسے مزاحیہ واقعے کے بیان تک، مصنف نے پوری ذہنی آزادی اور طبیعت کی ترنگ کے مطابق، اپنے خیالات و تاثرات کو قلمبند کیا ہے"(۲)

غبار خاطر کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا آزاد ادب کے فنی تقاضوں اور بنیادی قدروں سے بخوبی واقف تھے۔ اپنے شعور کی ابتدا ہی سے انہیں جن شعرا سے وابستگی رہی ہے ان میں نظیریؔ، عرفیؔ، غنیؔ، فیضیؔ، میرؔ، غالبؔ اور مومنؔ وغیرہ کے نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بیشتر شعرا علم و ادب میں اپنا بلند مقام رکھتے ہیں۔ مذکورہ شاعروں کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سے شعرا کے کلام و دواوین کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ انہیں ادب کے بنیادی اقدار سے بخوبی واقفیت ہو گئی تھی۔ ادب اور جمالیات کے تعلق کو مولانا آزاد بہت ہی اہم گردانتے تھے۔ ان کی جمالیاتی حس بہت بیدار تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"حسن آواز میں ہو یا چہرے میں، تاج محل میں ہو یا نشاط باغ میں، حسن ہے اور حسن

---

(۱) فکر و نظر (سہ ماہی) علی گڈھ۔ ابوالکلام آزاد نمبر۔ اگست ۱۹۸۹ء مولانا آزاد کا علمی تبحر۔ خلیق احمد نظامی (ص۔ ۲۶)

(۲) ایوان اردو (دہلی) مولانا ابوالکلام آزاد نمبر۔ دسمبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد کی ادبی شخصیت۔ حامدی کاشمیری (ص۔ ۱۶۹)

اپنا فطری مطالبہ رکھتا ہے۔ افسوس اس محروم از لی پر جس کے بے حس دل نے اس مطالعہ کا جواب دینا نہ سکھا ہو" (۳)

مولانا آزاد صحیح معنوں میں محبّ جمال تھے۔ وہ ادبی تحریروں خصوصاً شاعری میں جمالیاتی فقدان کو بے حسی سے تعبیر کرتے ہیں۔ مولانا ادب میں جذباتی اور جمالیاتی اقدار کو نہ صرف نا گزیر سمجھتے ہیں بلکہ کسی ایسے شخص کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتے جو بلبل کی نوا اور چھکڑے کے پہیے کی ریں ریں میں تفریق نہ کر سکتا ہو۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

" سبحان اللہ! ذوق سماعت کی دقت امتیاز دیکھئے۔ بلبل کی نواؤں اور چھکڑے کے پہیوں کی ریں ریں میں یہاں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا" (۴)

مولانا آزاد ادب میں جمالیات اور فنون لطیفہ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ان کے نزدیک اعلیٰ ادبی ذوق اور شاعرانہ مذاق کا موسیقی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ وہ موسیقی کو روح کی بالیدگی قرار دیتے تھے جو جذبات و احساسات پر اپنا گہرا اور دیرپا نقش ثبت کردیتی ہے۔ موسیقیت اور ادب کے باہمی امتزاج کی حسین مرقع کشی کرتے ہوئے مولانا آزاد خود فرماتے ہیں۔

" حقیقت یہ ہے کہ موسیقی اور شاعری ایک ہی حقیقت کے دو مختلف جلوے ہیں اور ٹھیک ایک ہی طریقہ پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو حقائق شعر میں الفاظ و معنی کا جامہ پہن لیتے ہیں، وہی موسیقی میں الحان وایقاع کا بھیس اختیار کر لیتے ہیں۔۔۔ اگر یہ شعر کا جامہ پہن لیتے تو کبھی حافظؔ کا ترانہ ہوتا، کبھی خیامؔ کا زمزمہ، کبھی شیلےؔ کی ماتم سرائیاں اور کبھی ورڈس ورتھ کی حقائق سرائیاں" (۵)

مولانا آزاد ادب میں موسیقیت کے علاوہ حقیقی منظر نگاری کی پر زور تائید کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بامقصد منظر نگاری سے ادبی تحریر حسین مرقع بن جاتی ہے۔ خود انہوں نے جہاں کہیں منظر کشی کی ہے تو اس کا رشتہ زندگی کے کسی نہ کسی پہلو سے ضرور جوڑ دیا ہے۔ غبار خاطر میں لکھتے ہیں۔

"کوئی پھول یا قوت کا کٹورا تھا، کوئی نیلم کی پیالی تھی، کسی پر گنگا جمنا کی قلم کاری کی گئی

---

(۳) انتخاب تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) مرتبہ پروفیسر محمود الٰہی (ص۔ ۱۲۹)

(۴) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص۔ ۲۰۴)

(۵) ایضاً (ص ص۔ ۲۶۵۔۲۶۴)

تھی، کسی پر چھینٹ کی طرح رنگ برنگ کی چھپائی ہو رہی تھی۔ بعض پھولوں پر رنگ کی بوندیں اس طرح پڑ گئی تھیں کہ خیال ہوتا تھا، صناع قدرت کے موقلم میں رنگ زیادہ بھر گیا ہوگا۔ صاف کرنے کے لئے جھٹکنا پڑا اور اس کی چھینٹیں قبائے گل کے دامن پر پڑ گئیں۔۔۔ لوگ پھولوں کی سیج بچھاتے ہیں اور اپنی کروٹوں سے اسے پامال کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے حصے میں کانٹوں کا فرش آیا تو ہم نے اپنی پھولوں کی سیج بستر سے اٹھاکر چھت پر الٹ دی۔ تلوؤں کے کانٹے چبھتے رہتے ہیں مگر نگاہ ہمیشہ اوپر کی طرف رہتی ہے"(۶)

اس پرفریب منظر نگاری کے ذریعے مولانا آزاد کی بلند حوصلگی، ان کی رجائیت، ان کا احساس جمال و جذبات اور ان کی ذہنی کیفیات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ مولانا ادب میں رجائی نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ وہ قنوطیت کے قائل نہیں تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنی تحریروں کے ذریعے رجائی نقطۂ نظر کی تبلیغ کی۔ یہ بات تو عالم آشکار ہے کہ "غبارخاطر" انہوں نے قفس کی چہار دیواری میں لکھی۔ لیکن ان کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے قید خانے کی تاریکی اور ہولناک ماحول کو بھی اپنے تصور رجائیت سے روشن اور تابناک بنا دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اندھیری راتوں میں آسمان کی قندیلیں صرف قید خانے کے باہر ہی نہیں چمکتیں بلکہ اسیران قید و محن کو بھی اپنی جلوہ فروشیوں کا پیغام بھیجتی رہتی ہیں۔ بقول فیض احمد فیضؔ۔

دست صیاد بھی عاجز ہے، کف گل چیں بھی

بوئے گل ٹھہری، نہ بلبل کی زباں ٹھہری ہے

درحقیقت مولانا آزاد کی یہ رجائیت ان کے جمالیاتی احساس کی دین ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے قید خانے کی تنہائیوں میں بھی آہ و ماتم نہیں کیا بلکہ کیف و سرود کی محفلیں سجائیں۔ ان کے فلسفے کا رنگ کہیں بھی منفی نہیں ہے اور نہ ہی زندگی میں انہوں نے کوئی منفی پہلو تلاش کیا۔ اپنے رجائی نقطۂ نظر پر روشنی ڈالتے ہوئے خود لکھتے ہیں۔

"میں آپ کو بتلادوں، اس راہ میں میری کامرانیوں کا راز کیا ہے؟ میں اپنے دل کو

---

(۶) غبار خاطر (ابوالکلام آزاد) مرتبہ مالک رام (ص ص۔ ۱۹۸۔ ۱۹۷)

مرنے نہیں دیتا۔ کوئی حالت ہو، کوئی جگہ ہو، اس کی تڑپ کبھی دھیمی نہیں پڑیگی۔" (۷)

پروفیسر ڈاکٹر اعجاز حسین مولانا آزاد کے ادبی نقطۂ نظر کی توضیح کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"جوش و اتصال کی طرح ابوالکلام آزاد کی تحریر میں عام طور پر جوش اور پیام عمل ہوتا ہے۔ ان کے مضامین پڑھ کر آدمی مایوسی کی دنیا میں گم نہیں ہوسکتا۔ پہاڑ ایسی مصیبتوں کے بعد بھی اس کو کام اور کامیابی کی طرف قدم بڑھانے کی دعوت دی جاتی ہے۔" (۸)

مولانا آزاد کے ادبی نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کی رجائیت کا رجحان زندگی سے گریز اور خواب و خیال کے دامن میں پناہ لینے کے لئے نہیں تھا بلکہ وہ رجائیت کو ایک ادیب کی سماجی و اخلاقی ذمہ داری تصور کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سماجی ذمہ داریوں سے دامن بچانے والا ادیب نہ صرف زندگی کی صحت مند روایات سے اپنا رشتہ توڑ لیتا ہے بلکہ اس سے اس کے ادب کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ادب میں ابتدا ہی سے دو مختلف رجحانات نظر آتے ہیں۔ ایک طرف مقصدیت اور اصلاح پسندی ہے جو جمالیاتی اقدار کو نظر انداز کرتی ہے اور دوسری طرف جمالیات پرستی ہے جو زندگی کے بنیادی مسائل سے آنکھ چراتی ہے۔ مولانا آزاد کی ادبی شخصیت کو ان دونوں کے مابین تلاش کرنا چاہیے۔ قاضی اطہر مبارکپوری مولانا آزاد کی ادبی حیثیت متعین کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہیں۔

"ادبی حیثیت سے غبار خاطر ادب، شاعری، تاریخ اور اردو و فارسی کی انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے اور اگر مولانا کی فکری بصیرت کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو ۱۹۴۷ء کے ہندوستان کو دیکھا جائے کہ کس طرح وہ لوگوں کو کام کرنے کا، جینے کا، اللہ پر بھروسہ رکھنے کا، دین و ایمان پر قائم رہنے کا صائب مشورہ دیتے تھے۔ ان کے یہاں زورزبردستی نہیں تھی بلکہ ان کی شیریں بیانی، ان کا انداز گفتار اس قدر دل نشین ہوتا تھا کہ سامعین کو مسحور کردیتا تھا۔ مولانا کے قلم کی سیاہی اتنی روشن تھی جس میں گذشتہ تاریخ کے شاندار ماضی کا بھی ذکر تھا، حال کی غلطیوں اور خامیوں

---

(۷) ایوان اردو (دہلی) مولاناابوالکلام آزاد نمبر۔ دسمبر ۱۹۸۸ء مولانا آزاد کی ادبی شخصیت۔حامدی کاشمیری (ص ۔ ۱۷۰)

(۸) مختصر تاریخ ادب اردو ۔ پروفیسر ڈاکٹر اعجاز حسین (ص۔ ۲۱۹)

کا عکس بھی تھا اور آئندہ آنے والی زندگی کے روشن مستقبل کی پیش گوئی بھی تھی۔"(۹)

درحقیقت مولانا آزاد نے مقصد کے حصول کے لئے جمالیاتی اقدار کو قربان نہیں کیا اور جمالیاتی قدروں کی خاطر مقصدیت سے گریز نہیں کیا۔ وہ حقیقی اور معیاری فن کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ معیاری فن ہمیشہ حقیقی تعلیم کا مؤثر ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فلسفۂ ادب میں حق وباطل، عیب و صواب اور تاریکی و روشنی کے متوازن امتزاج ہی کو صحیح زاویہ قرار دیا۔ بقول حکیم محمد اجمل خان۔

"مولانا چاہتے تھے کہ دین ہو یا ادب، دونوں میں قدیم بنیادوں کو نہ ڈھایا جائے بلکہ تاریخی تسلسل خیالات کو اس طرح قائم رکھا جائے کہ جدید بھی پرانے ساغروں میں ڈھل کر دو آتشہ بن جائیں۔" (۱۰)

یہی وجہ ہے کہ مولانا آزاد کی تحریروں میں ادب کے بنیادی اقدار کے ساتھ مصلح اور مبلغ کا عکس بھی جھلکتا نظر آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں کبھی کبھی تقریر کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے لیکن مولانا کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے خطیبانہ انداز سے وہ اپنی عبارت کو مزید پر لطف اور پر تاثیر بنا لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں دلکش طرز بیان کے ساتھ تشبیہات و استعارات، برجستہ فقرے اور برمحل اشعار کا استعمال اس خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے، جو آج تک قارئین کے دل و دماغ سے محو نہ ہوسکا۔ ان کے دلچسپ اور منفرد اسلوب بیان کی ادبی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری یوں رقمطراز ہیں۔

"مولانا آزاد کا ایک اسلوب وہ ہے جو اردو کا عام اسلوب ہے اور یہی اردو کا حقیقی اور بنیادی اسلوب ہے۔ یہ اسلوب دعوت و تبلیغ اور علم و تحقیق کے اسلوب سے بالکل الگ اور ادبی اسلوب سے جدا اور نمایاں ہے۔ اردو کی ترقی، اس کی وسعت و مقبولیت اور رواج عام کا دارومدار اسی اسلوب پر ہے۔ اردو کا یہ وہ اسلوب ہے، جس کی بنیاد میرامن دہلوی نے ڈالی تھی اور جو غالب کے خطوط میں بھی نمایاں ہوا تھا۔ سرسیّد، حالی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق اس سلسلۂ اصحاب اسلوب کی نمایاں شخصیات ہیں۔" (۱۱)

---

(۹) برہان (سہ ماہی) دہلی۔ جنوری تا مارچ ۱۹۹۶ء (ص۔ ۲۴)

(۱۰) مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ادبی خطوط وجوابات آزاد۔ محمد اجمل خان (ص۔ ۷)

(۱۱) اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ۔ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہاں پوری (ص۔ ۲۶)

مولانا آزاد کا ادبی نقطۂ نظر واضح تھا۔ وہ ادب کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی قارئین کے ذوق صحیح کو تسکین بھی پہنچانا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ادب میں معیاری مضامین کے ساتھ دلچسپ اسلوب بیان اور پر تاثیر الفاظ قارئین کی دلچسپی کا موجب بنتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تحریروں میں ان کی انانیت اور انفرادی شخصیت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے جسے خال خال لوگوں نے ادبی نقص سے بھی تعبیر کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد کی یہی انانیت و انفرادیت ان کے نثری ادب کی حسین ترین اعلیٰ خصوصیت بن گئی۔ ان کے انانیتی ادب پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر حنیف کیفی لکھتے ہیں۔

"انانیتی ادبیات سے مقصود تمام اس طرح کی خامہ فرسائیاں ہیں۔ جن میں ایک مصنف کا "ایغو" یعنی "میں" نمایاں طور پر سر اٹھاتا ہے۔ مثلاً خود نوشت سوانح عمریاں، ذاتی واردات و تاثرات، مشاہدات و تجارب، شخصی اسلوب نظر و فکر۔۔۔ ادب میں انانیت، خودغرضی کا فلسفہ نہیں بلکہ مولانا کے الفاظ میں انانیت دراصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کی (ادیب، شاعر، مصور یا اہل قلم کی) فکری انفرادیت کا ایک قدرتی سرجوش ہے، جسے وہ دبا نہیں سکتا۔" (۱۲)

مولانا آزاد کے نزدیک طرز نگارش میں اپنی انانیت کے اظہار کا پورا پورا حق ایک منفرد عالم و ادیب کو پہنچتا ہے۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جو مصنف اپنی انانیت کی بے ساختہ تصویر کھینچ سکتے ہیں، وہ لوگوں کو باعظمت دکھائی دیں یا نہ دیں لیکن ان کی بے ساختگی کی گہرائی اور گیرائی دنیا کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مولانا آزاد کی اسی خصوصیت نے انہیں عوامی زندگی سے قریب تر کردیا اور وہ اپنے معاصر اہل قلم سے بلند و بالا اور ممتاز نظر آنے لگے۔ نیز ان کی تحریریں لافانی اور لاثانی بن گئیں، جسے کوئی دوسرا تقلید کی گرفت میں نہیں لاسکا۔

مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح مولانا آزاد کی عملی زندگی دو متضاد عناصر سے مرکب تھی اسی طرح ان کی ادبی شخصیت اور نظریات کو بھی الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ابتدا ہی سے ان کی ادبی شخصیت میں دو مختلف رجحانات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ اپنی

---

(۱۲) تنقید و توجیہہ۔ ڈاکٹر حنیف کیفی (ص۔ ۱۸۵)

زندگی کے دوسرے مشاغل کی طرح ادب میں بھی انہوں نے ایک مخصوص توازن قائم رکھا ہے۔ وہ فن برائے فن اور فن برائے زندگی کی بحث کو قطعی فضول سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دونوں مقولوں کے بطن میں ایک ہی حقیقت مخفی ہے اور حقیقی فن افراد کے جذبات کی نمائندگی کرتا ہے، ان کے جذبات کو سنوارتا ہے اور ادراک و تخیل کی تربیت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی خود دارانفرادیت ادب میں بھی اپنا وقار قائم رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد ادبی روایات کے سرچشموں سے بھی فیضیاب ہوئے اور ساتھ ہی جدید سائنسی پیش رفت کے نتیجے میں جدت پسندی کا احترام بھی کیا۔ ان کی متضاد شخصیت نے ادب میں فن برائے فن اور فن برائے زندگی دونوں کے درمیان اپنا راستہ بنایا اور اپنی تحریروں کے ذریعے ماضی کی تاریخ، حال کی غلطیوں اور خامیوں نیز مستقبل کی پیش گوئی کی، جو آج مابعد جدیدیت کے روپ میں ہمارے ادب میں درخشندہ و تاباں ہے۔